عالیہ بخاری

صنم گزیدہ

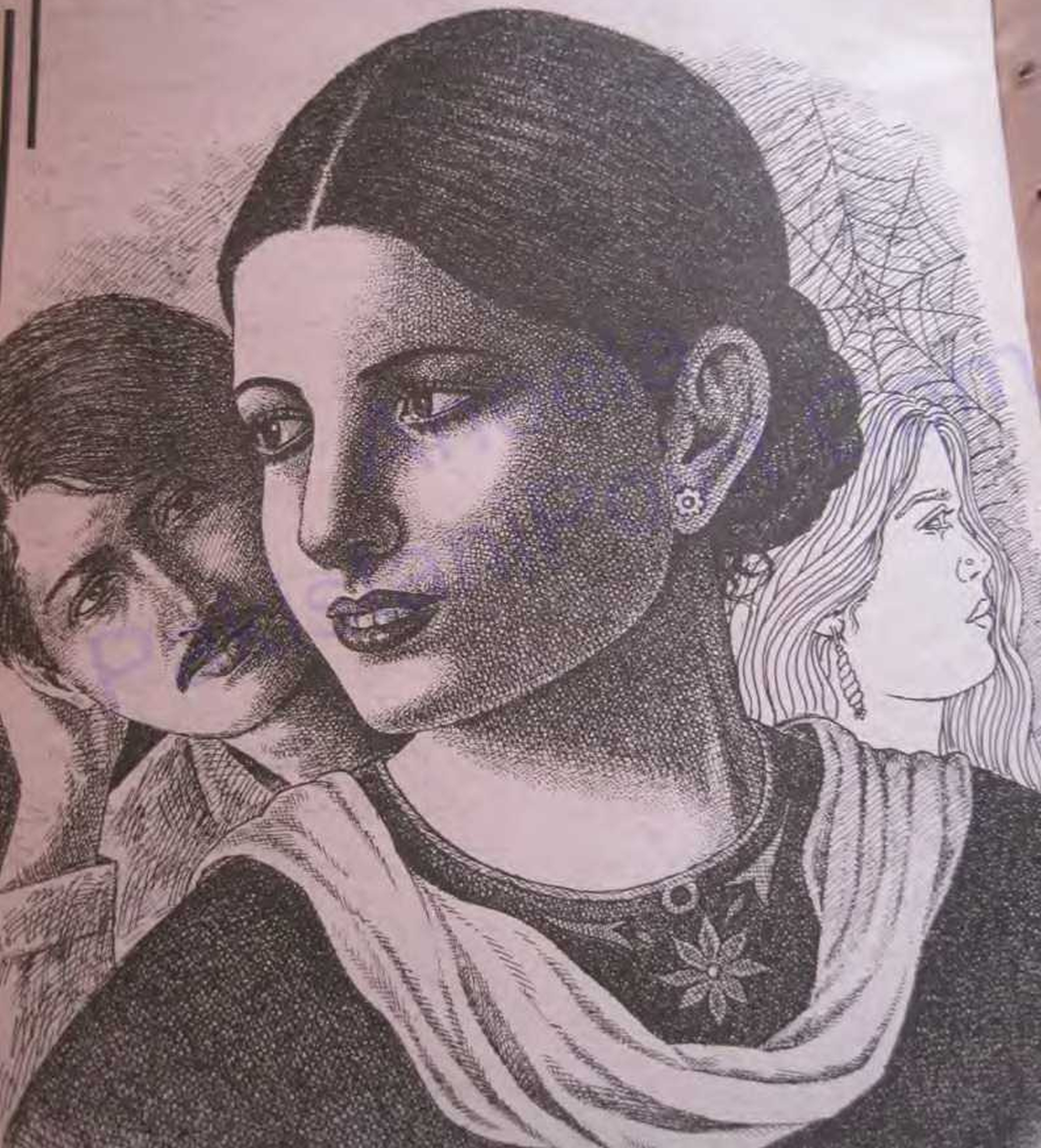

خود سر اور خود پسند تو خیر وہ سدا کی تھی لیکن اپنی شادی کے معاملے میں ان سے یوں دوبدو زبان درازی کرے گی ایسا تو ماں کے وہم و گمان میں ہرگز نہ تھا۔ سو اس کے قطعی انکار کرنے پر وہ کچھ دیر تو بالکل سن بیٹھی رہ گئیں۔

"آخر برائی کیا ہے نیک شریف کھاتا کماتا اور سب سے بڑھ کر گھر کا بچہ ہے پھر انکار کی وجہ؟" چند لمحوں بعد انہوں نے خود کو سنبھال کر تند نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

"ہونہہ کیا برائی ہے! یہ آپ نہیں سمجھ سکیں گی۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا "بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ مجھے پسند نہیں۔"

"اُفوہ دماغ تو دیکھو عرش پر پہنچے ہوئے ہیں مہارانی کے' میں کہتی ہوں ہوش میں رہو۔" اماں بری طرح تلملا گئیں۔

"اماں پلیز خوامخواہ بات نہ بڑھائیں کیا رکھا ہے انور میں' شکل دیکھی ہے' قسم سے اس کے تو ساتھ چلتے ہوئے بھی مجھے شرم آئے گی۔" اس کے لہجے ہی میں نہیں آنکھوں میں بھی حقارت تھی۔

"خدا کا خوف کر مہو' اس کی بنائی ہوئی شکل پر اعتراض کرنے والی تو کون ہے' اور اپنے جس حسن کا تجھے اتنا مان ہے وہ بھی اسی کی دین ہے۔"

"آپ بھی تو میری بات سمجھنا نہیں چاہ رہیں' جس شخص کو میرا دل قبول کرنے کے لیے تیار نہیں' اسے کیوں مجھ پر مسلط کرنے کی فکر میں ہیں۔" مہرین اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"میں نے دنیا دیکھی ہے بیٹا' تو وہ کچھ ابھی نہیں سمجھ سکتی جو ہم جانتے ہیں' انور بہت سلجھا ہوا لڑکا ہے اور آپا مجھ سے زیادہ تجھ پر جان چھڑکتی ہیں۔ پھر جس طرح تمہارے باپ کے بعد آپا اور بھائی صاحب نے ہمارا ساتھ دیا تو کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ ان کا اتنے ارمانوں سے بڑھایا ہوا ہاتھ یوں جھٹک دیا جائے۔" اس کی خاموشی سے اماں کو لگا جیسے ان کی بات اس کی سمجھ میں آ رہی ہے۔

"تو یہ کہیں نا کہ میری زندگی تباہ کر کے آپ خالہ جان کے احسانوں کا بدلہ اتارنا چاہ رہی ہیں۔" مہرین کی آنکھیں سچ مچ بھر آئیں تو اماں تڑپ اٹھیں۔

"نہیں میری بچی خدا نہ کرے' تیرے اور شہزاد کے سوا میرا ہے ہی کون میں تو تیرے بھلے کے لیے ہی سمجھا رہی تھی۔" انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"تو بس اب آپ خالہ جان کو منع کر دیں وہ بہت اچھی ہیں' دیکھیے گا بالکل برا نہیں مانیں گی۔" اماں کو کمزور پڑتا دیکھ کر اس نے جھٹ آنسو صاف کر لیے تو وہ اپنی اس پریوں جیسی بیٹی کو دیکھ کر رہ گئیں۔

شہزاد اور مہرین ان کی دو ہی اولادیں تھیں' شہزاد مہرین سے دو برس بڑا تھا۔ پندرہ برس پہلے جب ان کے شوہر ٹریفک کے ایک حادثے میں اچانک ہی ان کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس وقت دونوں ہی بچے خاصے کم عمر تھے۔

شروع شروع میں تو اماں کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آسمان سر پر آ گرا ہو' دو چھوٹے بچوں کے ہمراہ زندگی کا سفر کس ڈھنگ سے طے ہو گا' ان کی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ مرحوم شوہر نے ساری زندگی رزق حلال کو جزو ایمان بنائے رکھا اور خود وہ بھی نہایت قناعت پسند سلیقہ شعار اور راضی بہ رضا رہنے والی خاتون تھیں' لہٰذا ان کا کل اثاثہ گریجویٹی فنڈ کی اس رقم کے علاوہ اور کچھ نہ تھا جو انہیں گورنمنٹ کی طرف سے ملنی تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ سر چھپانے کا تھا اب ہر ماہ ایک معقول رقم کرائے کی مد میں خرچ کرنے کی استطاعت ان میں نہیں تھی اس موقعے پر ان کی اکلوتی بڑی بہن کے شوہر نے آفس کے چکر لگا کر اور کچھ جاننے والوں سے کہہ سن کر گریجویٹی فنڈ کی رقم جلد ہی اماں کو دلوا دی پھر ان ہی کے مشورے سے اماں نے ایک سو بیس گز کا مکان خرید لیا جس میں دو کمرے' کچن اور باتھ روم اوپر بھی بنا ہوا تھا۔ اوپر کے حصے میں خود شفٹ ہو کر نچلی منزل کو انہوں نے کرائے پر دے دیا سو اس طرح کرائے کی رقم اور ماہانہ پنشن سے زندگی کی گاڑی جوں توں چلنے لگی۔

جلد ہی اماں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بچوں کی بہتر تعلیم کے لیے انہیں مزید رقم کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تو انہوں نے سلائی مشین بھی سنبھال لی۔ اللہ نے ہاتھ میں ایسا ہنر دیا تھا کہ اس سے انہیں اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی۔

شہزاد تو خیر ایک شرارتی لیکن ذہین بچہ تھا، جس نے چھوٹی موٹی شرارتوں کے علاوہ انہیں کبھی نہ الجھایا تھا لیکن مہرین کی حسن پسند فطرت سے وہ اکثر خائف ہو جاتیں۔ اللہ نے اچھی شکل سے نوازا تھا۔ وہ ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور نمایاں ہوتی تھی، اس خوبی کا احساس خود اسے شدت کے ساتھ تھا۔ شروع شروع میں محلے کی بچیاں اسے اپنے کھیل میں شامل کرنے کے لیے بلانے آتیں لیکن اماں کے لاکھ کہنے پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوتی پھر رفتہ رفتہ انہوں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔

پیار سے، ڈانٹ کر اماں نے ہر طرح سمجھا کر دیکھ لیا لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا تھا "گندی ہیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔" اسکول کے فنکشنز میں شہزادی کے رول کے لیے ٹیچر کا اولین انتخاب کیا بنتی کہ، باقی کلاس کو بھی زیادہ لفٹ دینے کی ضرورت نہ تھی۔

کالج تک پہنچنے پر صورت حال میں کچھ تبدیلی ضرور آگئی تھی۔ ایک تو وہاں لڑکیوں کی اکثریت خود ہی اپنے آگے کسی کو کم ہی گردانتی تھی۔ دوسرے عمر کے ساتھ ساتھ مہرین کو بھی اتنا شعور آگیا تھا کہ وہ اب برملا کسی کی صورت شکل پر اظہار خیال کرنے سے گریز کرتی۔ ایک دو لڑکیوں سے ٹھیک ٹھاک دوستی بھی کر لی تھی جن کی بدولت کالج میں وقت اچھا گزر جاتا تھا۔

اب پچھلے سال گریجویشن کرنے کے بعد اس نے ایک پرائیویٹ فرم میں جاب کر لی تھی، جبکہ شہزاد کی بھی مکینکل انجینئرنگ کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی اور اب کچھ ماہ قبل ہی وہ ایک غیر ملکی فرم میں ملازمت حاصل کر کے مسقط جا چکا تھا۔

یہاں تک تو سب ٹھیک تھا لیکن اس کا کیا کیا جاتا کہ بچپن سے دل میں چھپا احساس برتری اب شدت اختیار کر چکا تھا، ایسے میں سانولی رنگت اور درمیانے قد و قامت والے انور کے رشتے سے وہ بری طرح چڑ کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ وہ ایک شریف اور سلجھا ہوا نوجوان تھا، بینک میں سیکنڈ کلاس آفیسر کی پوسٹ پر فائز تھا۔ آگے ترقی کے روشن امکانات بھی تھے لیکن مہرین کی نظر میں ان سب باتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ شریک زندگی کے متعلق اس کے آدرش بہت اونچے تھے جن میں انور جیسے شخص کی گنجائش نہیں تھی اور اب تو اسے اپنا آئیڈیل بہت قریب نظر آرہا تھا۔

--*

"عاصم اب جلدی کچھ کرو پلیز نہیں تو اماں کچھ نہ کچھ فیصلہ کر بیٹھیں گی میں نے انہیں بڑی مشکل سے روکا ہوا ہے۔" مہرین نے آفس سے نکلتے ہی سارا قصہ عاصم کے گوش گزار کرنا چاہا۔

"آخر ایسی بھی کیا جلدی ہے، چلو کہیں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں وہیں اطمینان سے سوچیں گے کہ کیا کرنا چاہیے۔" عاصم نے لاپروائی سے کہا۔

"میں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں رک سکتی کیونکہ ویسے ہی کل میں نے اماں کو ناراض کر دیا ہے اب مزید ان کی ناراضگی ہمارے حق میں اچھی نہیں ہوگی۔" مہرین نے جلدی سے کہا۔

عاصم سے اس کی واقفیت کو صرف آٹھ مہینے گزرے تھے لیکن اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ صدیوں سے اس کے علاوہ کسی اور کو جانتی ہی نہ ہو، خوش شکل اور دراز قامت عاصم اپنی شاندار پرسنالٹی کی وجہ سے پورے آفس میں نمایاں نظر آتا تھا۔ وہ اسی کے سیکشن میں کام کر رہی تھی لہٰذا بار بار دونوں کا ایک دوسرے سے واسطہ تھا۔ چند دنوں میں ہی مہرین نے اپنے لیے اس کا بڑھتا ہوا التفات محسوس کر لیا تھا اور وہ مغرور دل جو کسی کو در خور اعتنا نہیں سمجھتا تھا۔ عاصم کی شاندار شخصیت کا اسیر ہوتا چلا گیا، اور اب مہرین کے دل کی ساری دھڑکنیں اسی کے نام تھیں۔ اور ایسا کچھ دعویٰ عاصم کو بھی تھا۔

"اچھا تو یہ قصہ ہے۔" عاصم چائے کا سپ لیتے ہوئے ذرا رکا "تم نے تو ایسے ڈرا دیا جیسے تمہاری اماں

کل ہی تمہارا نکاح انور سے کر رہی ہیں۔"

"تمہاری یہی لاپرواہی رہی تو نکاح بھی ہو جائے گا۔" اس کی بے نیازی کو دیکھ کر مہرین روہانسی ہو گئی۔

"ارے تم تو سیریس ہو گئیں' دیکھو میں تمہیں کسی اور کا ہونے دوں گا یہ تو تم بالکل بھول جاؤ' یا تمہیں میرا یقین نہیں ہے۔" اس نے اپنی ڈارک براؤن آنکھیں مہرین پر جماتے ہوئے کہا۔

"جتنا یقین تم پر ہے اتنا تو اپنے آپ پر بھی نہیں ہے' لیکن عاصم تم سمجھ نہیں رہے' اماں میری جلد از جلد شادی کرنا چاہ رہی ہیں شہزاد بھائی ہر دفعہ فون پر یہی کہتے ہیں کہ اماں میری شادی سے فارغ ہو کر ان کے پاس چلی جائیں' اس سے پہلے بھی میں کتنے رشتوں کو منع کر چکی ہوں اور کل رات تو اماں نے خود مجھ سے کہا کہ اگر میری کہیں مرضی ہے تو انہیں بتا دوں۔" مہرین نے نظریں جھکائے بات پوری کی جب بھی وہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھتا تھا تو نہ جانے وہ کمزور کیوں پڑنے لگتی تھی۔

"واؤ! تو پھر تم نے جلدی سے میرا نام لے دینا تھا۔" وہ ہنسا۔

"شرم کرو' جب تک تم باقاعدہ رشتے کی بات نہیں شروع کرو گے میں بھلا کیسے کہہ سکتی ہوں۔" وہ کچھ ناراض نظر آ رہی تھی۔

"دیکھو مہرین یہ بات تو طے ہے کہ میرے والدین اس رشتے پر کبھی تیار نہیں ہوں گے میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میری امی اپنے طور پر اپنی بھانجی کو بہو بنانے کا فیصلہ کیے بیٹھی ہیں۔" اب کے عاصم نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

"ایک دفعہ اور کوشش کر کے دیکھو' مجھے ان سے ایک بار ملاؤ تو سہی شاید مجھے دیکھ کر وہ اپنا فیصلہ......"

"ہاں جیسے ان کا بیٹا چت ہوا اسی طرح وہ بھی تمہارے حسن کے آگے ہتھیار ڈال دیں گی۔" وہ اس کی بات کاٹ کر ہنسا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"نہیں مہرین وہ اپنا فیصلہ بدلنے والوں میں سے نہیں ہیں' انہوں نے مجھ سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر میں اپنی مرضی سے شادی کروں گا تو اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو گا اور ابا بھی اس معاملے میں پوری طرح ان کے ہمنوا ہیں۔"

"پھر عاصم ہمارا کیا بنے گا؟ سچ مجھے تو بہت پریشانی ہو رہی ہے۔"

"ایک ہی راستا ہے مہرین اگر تمہاری اماں مان جائیں۔" وہ ذرا کی ذرا رکا تو مہرین نے بے چینی سے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہی کہ میرے دوست سرفراز کی والدہ اور بیوی تمہاری اماں سے جا کر ہمارے رشتے کی بات کریں پھر تمہاری والدہ میرے متعلق جو اطمینان کرنا چاہیں وہ کر سکتی ہیں' میں' میری ملازمت وغیرہ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔"

"یعنی تمہارے والدین کے بغیر ہماری شادی ہو جائے۔"

"ہماری شادی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے' یا اگر تم مجھے کھونے کا حوصلہ اپنے اندر پاتی ہو تو دوسری بات ہے۔" مہرین کی آنکھوں میں تذبذب کے سائے دیکھ کر اس نے کچھ روٹھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں تم ایسا کرو کہ انہیں ہمارے ہاں بھیج دو۔" مہرین کے لیے تو اب کوئی دوسرا خیال سوہان روح تھا۔

"تو ٹھیک ہے چلو اب بینڈ باجے بجوانے کی تیاریاں شروع کریں۔" وہ کرسی سرکا کر کھڑا ہوا تو وہ بھی گلنار چہرہ لیے اس کے اونچے شاندار سراپے کو دیکھ کر فخر سے مسکرا دی۔

----*

جس دن عاصم کے دوست کی والدہ اور بیگم کو آنا تھا۔ اس نے ایک دن پہلے اماں کو بتا دیا تھا کہ کچھ مہمانوں کو آنا ہے مہرین کے چہرے پر پھیلی خوشی سے اماں مہمانوں کی نوعیت اور آمد کے مقصد کو خود بخود سمجھ گئیں۔ ماں تھیں اولاد کی خوشی سے زیادہ ان کے لیے کیا چیز ہو سکتی تھی سو وہ خوشی خوشی آنے والے مہمانوں کے سواگت کی تیاریوں میں لگ گئیں۔

مہمان مقررہ وقت پر آئے مہرین تو ذرا سی دیر کے لیے چائے اور ڈھیروں لوازمات کے ساتھ ان کے

سامنے گئی اور پھر فوراً ہی اپنے کمرے میں آگئی۔ اماں اور ان لوگوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی یہ وہ نہ جان سکی پر ان لوگوں کے جانے کے بعد چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے اس نے اماں کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ کسی گہری فکر میں ڈوبی ہوئی لگ رہی تھیں۔ مہرین کا دل پریشان ہونے لگا لیکن پھر عاصم کا خوش کن خیال ساری فکروں کو کوسوں دور لے گیا۔

اسی رات جب اماں نے اس مسئلے کو مہرین کے سامنے رکھا تو اس نے نظریں جھکا کر اماں کو صاف بتا دیا کہ اس رشتے میں اس کی سو فیصد مرضی شامل ہے۔ بعد میں انہوں نے مہرین کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ جس رشتے میں والدین اور خاندان والوں کی رضا نہ ہو اس کی پائیداری ہمیشہ مشکوک رہتی ہے' لیکن وہ بضد رہی۔

اس کی ضد کے آگے ہار کر انہوں نے اپنی بہن بہنوئی سے مشورہ کیا۔ خالہ جان کو اگرچہ مہرین کا اپنی بہو نہ بن سکنے کا بہت قلق تھا۔ لیکن وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ اس رشتے میں فریقین کی باہمی رضامندی کتنی اہم ہوتی ہے اسی لیے انہوں نے اپنے رنج کو بھلا دیا تھا اور اپنی بھانجی کی خوشیوں کے لیے دعا گو رہتی تھیں۔

انور اور خالو جان کے ذریعے جو معلومات اماں کو حاصل ہوئیں ان کے مطابق عاصم میں بظاہر کوئی برائی نہ تھی۔ یہ ساری چھان بین بھی رسمی ہی تھی کیونکہ مہرین نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر یہاں شادی نہ ہوئی تو وہ زندگی بھر شادی نہیں کرے گی' بہن بہنوئی کے سمجھانے اور اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اماں نے ہامی تو بھر لی تھی لیکن دکھ کا ایک احساس دل کے کسی حصے میں رہ گیا تھا۔

*_*_*

"مہرین میں تم سے ایک بات کہنا چاہ رہا تھا سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کہوں یا نہ کہوں۔" عاصم نے جھجکتے ہوئے مہرین سے کہا' ان کی شادی میں محض ایک ہفتہ رہ گیا تھا اور آج سے مہرین ایک ماہ کی چھٹیوں پر جا رہی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے عاصم' جو تم مجھ سے نہیں کہہ پا رہے ہو۔" مہرین کے انداز میں حیرت تھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ شادی کن حالات میں ہو رہی ہے' عام طور پر یہ سارا بکھیڑا والدین ہی نبٹاتے ہیں اور ابھی میں شادی کے اخراجات کے متعلق کوئی پلاننگ بھی نہیں کر پایا تھا۔"

"بس بس میں سمجھ گئی دیکھو میرے ذاتی اکاؤنٹ میں اس وقت کچھ پیسے پڑے ہیں' وہ تم نکلوا لو اور زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' بس دو چار جوڑے اور ایک ہلکا سا سیٹ خرید لیں گے۔" مہرین نے اس کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا مہرین بجائے اس کے کہ میں تمہارے لیے کچھ کروں' الٹا تم پر بوجھ ڈال رہا ہوں۔" عاصم کافی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

"اُفوہ پھر وہی بات! میرے اور تمہارے پیسے کوئی الگ الگ ہیں' مجھے ضرورت ہو گی تو کیا میں تم سے نہیں لوں گی' یہ لو چیک اور بلکہ ایسا کرو کہ تم جا کر خود ہی شاپنگ کر لینا میرا تو اب تم سے ملنا مشکل ہے۔" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے مہرین کچھ محجوب سی ہو گئی۔

"کیا مطلب اتنا لمبا عرصہ! کچھ اندازہ ہے کہ اس دل پر کیا گزرے گی۔" وہ یکدم بشاش ہو گیا۔

"سنبھال کر رکھو اپنے دل کو اور مجھے کوئی رکشہ یا ٹیکسی دلوا دو۔"

وہ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی باہر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تو عاصم بھی ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا۔

مہرین کی شادی طے ہو جانے کے بعد خالہ جان نے انور کی شادی بھی اپنے رشتہ داروں میں طے کر دی تھی اور مہرین کی شادی کے ٹھیک پندرہ دن بعد انور کی شادی تھی' اس جلدی کی اصل وجہ اماں کی متوقع روانگی تھی جو کہ مہرین کی شادی کے ایک ماہ بعد ہونی تھی۔ شہزاد کو ابھی چھٹی ملنا ناممکن تھا لیکن اس نے کسی آنے والے کے ہاتھ کافی سامان بھجوایا تھا اور اماں کو بھی ہر بار فون پر تاکید کی تھی کہ مہرین کے لیے

کسی چیز کی کوئی کمی نہ رہ جائے۔

مہرین کی شادی انور سے نہ ہونے کا اسے بہت افسوس تھا لیکن اماں نے اس کو سمجھا دیا تھا۔ خالو جان کی وساطت سے گھر کا سودا بھی طے پا گیا' لینے والے خالو جان کے قریبی دوست تھے۔ وہ بخوشی اس امر پر راضی ہو گئے تھے کہ مہرین کی شادی اور اماں کی روانگی کے بعد وہ مکان کا قبضہ لیں گے مہرین کی شادی کے پیش نظر انہوں نے یہ منت پوری کر دی تھی۔

عاصم سے مل کر اس کی مہذب اور دلکش شخصیت کو دیکھ کر اماں کو کچھ اطمینان تو ضرور ہوا تھا۔ پھر مہرین کے چہرے پر کھلتے گلاب دیکھ کر اماں نے اپنے خدشات پر قابو پا لیا اور خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں لگ گئیں اپنی بساط سے بڑھ کر انہوں نے مہرین کے لیے جہیز تیار کیا تھا کسی چیز کی کمی نہ رہنے دی تھی' ایک مکمل گھر کا ہر سامان موجود تھا مہرین نے منع بھی کیا کہ اتنی چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ان کا بس چلتا تو شاید وہ اپنی دل و جان بیٹی کے قدموں میں رکھ دیتیں۔

کبھی کبھی مہرین کو شدید شرمندگی کا احساس آگھیرتا وہ سوچتی کہ "اماں نے اپنی خوشی کے خلاف بھی اس کی خاطر کیا کیا برداشت کیا ہے حالانکہ اس نے اماں کی خوشی کو پورا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا شاید ماں اور اولاد میں یہی فرق ہوتا ہے۔"

"انور بھائی کی دلہن کیسی لگیں عاصم۔" مہرین نے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھتے ہوئے کہا وہ لوگ ابھی ابھی انور کے نکاح کی تقریب سے واپس آئے تھے اس کا سوال سن کر وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"بتاؤ نا ہنسنے کی کیا بات ہے' ویسے خالہ جان نے زیور اور شادی کا جوڑا تو واقعی بہت زبردست بنایا تھا لیکن...." وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر معنی خیز انداز میں ہنس پڑی۔

"اب ہماری جیسی قسمت ہر ایک کی تھوڑی ہے۔" اس نے والہانہ نظروں سے مہرین کی طرف دیکھا جو گوٹے کے کام کے بھاری میرون سوٹ اور میچنگ جیولری کے ساتھ ہوش اڑانے کی حد تک اچھی لگ رہی تھی۔

"بھلا آپ کے آگے کس کا چراغ جل سکتا ہے۔" عاصم نے بات پوری کی۔

"خیر چرچے تو آپ کے بھی عروج پر رہے ہیں' ساری محفل میں۔" مہرین کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ بدستور تھی اور یہ حقیقت بھی تھی کہ خالہ جان کے ہاں ساری تقریبات میں وہ دونوں میاں بیوی چاند سورج کی جوڑی کہلا رہے تھے۔ شادی شدہ جوڑے کی حیثیت سے ان کی اہتمام سے کی گئی تیاری نے انہیں اور زیادہ نمایاں کر رکھا تھا۔ عاصم پر پڑنے والی لڑکیوں کی توصیفی نظریں مہرین نے بارہا نوٹ کیں اور آج رخصتی سے پہلے جب اسے اور عاصم کو مووی بنوانے کے لیے اسٹیج پر بلوایا گیا تو دلہن کے پہلو میں بیٹھے ہوئے انور بھائی عاصم کے وجیہہ سراپے کے آگے کتنے دبے دبے سے لگ رہے تھے۔ وہ خود عاصم کے سنگ فخر سے سر اونچا کیے بیٹھی تھی عام سے نقوش کی مالک سائرہ بھی اس پر کوئی خاص اثر نہیں ڈال سکی۔

"چلو خیر انور بھائی اور سائرہ بھابھی کی جوڑی ٹھیک ہے۔" اس نے دل ہی دل میں تبصرہ کیا۔

*_*_*

ان کی شادی کو دو ماہ ہو گئے تھے۔ وہ بہت خوش تھی زندگی اک روپہلی دھند میں لپٹی ہوئی محسوس ہوتی تھی جہاں چاروں طرف رنگوں اور خوشبوؤں کی برسات تھی ارمانوں کے جگنو اور خواہشات کی ساری تتلیاں اس کی دسترس میں تھیں۔ وہ اپنے اس رنگ محل سے باہر جھانکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اماں شہزاد کے پاس چلی گئی تھیں فطری طور پر مہرین کچھ آزردہ ہوئی لیکن عاصم کے والہانہ پن نے جلد ہی سب کچھ بھلا دیا۔

اس روز چھٹی تھی وہ لوگ آج ذرا دیر سے اٹھے تھے' ناشتے سے فارغ ہونے کے باوجود ابھی وہ ٹیبل پر ہی تھے کہ اچانک ڈور بیل کے ساتھ کسی نے نہایت بے صبری سے دروازہ بھی بجانا شروع کر دیا۔

"آرہا ہوں بھئی ذرا صبر تو کرو۔" عاصم نے

دروازے پر پٹختے ہوئے کہا۔

"ارے صبر کے بچے، تجھے تو ہم اسی وقت صبر کر چکے جب تو بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ کر یہاں عیش کرنے بیٹھ گیا تھا۔" آگے آنے والے تنومند سے ادھیڑ عمر صاحب کا حلیہ اور تیور دونوں ہی جارحانہ تھے۔

"ذرا اس مہارانی کو تو دیکھو، جو میرے بچے پر قبضہ جما کر بیٹھی ہے میں کہتی تھی عاصم کے ابا اسے تنہا شہر نہ بھیجو، دیکھا کیسا میرے معصوم بچے کو ورغلایا۔" پیچھے آنے والی خاتون غالباً "ایک منزل نیچے سے بولتی چلی آ رہی تھیں ان کے ساتھ آنے والی نوجوان لڑکی کی ساری توجہ البتہ مہرین کے بے حد خوب صورتی سے سجائے گئے لاؤنج پر تھی۔

"اماں اپنے جھگڑے پھر نبٹاتی رہنا، مجھے تو فارغ کرو۔" ٹیکسی ڈرائیور نے نہایت اکھڑپنے سے تین کے چھوٹے بڑے بکس اور ہولڈال کو زمین پر پٹختے ہوئے کہا تو عاصم جلدی سے اس کی طرف مڑ گیا۔

مہرین سراسیمہ سی کھڑی تھی اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ آنے والے عاصم کے والدین اور بہن ہیں، لیکن دل و دماغ یقین کرنے سے قاصر تھا۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق تو عاصم کا تعلق ایک اچھے متوسط گھرانے سے تھا اس کی بات چیت اور پہننے اوڑھنے کے طور طریقے اس بات کی گواہی دیتے تھے۔ لیکن اب آنے والے مہمان مہرین کے ہر خیال کی بڑی بے رحمی سے نفی کیے دے رہے تھے۔

"اماں آپ بیٹھیں تو سہی، مہرین چلو امی کو سلام کرو۔" عاصم نے انہیں شانے پر ہاتھ رکھ کر بٹھانا چاہا۔

"ارے اس کا سلام لیتی ہے میری جوتی، کیسے ٹھاٹ سے میرے بیٹے کے سجے سجائے گھر میں آ کر بیٹھ گئی۔" ان کے دھتکارنے پر پیچھے ہٹتی مہرین یہ بھی نہ کہہ سکی کہ اس سجے سجائے گھر میں ان کے بیٹے کا لگایا ہوا ایک تنکا بھی نہیں ہے کرائے کے لیے گئے اس فلیٹ کا پچیس ہزار ایڈوانس اور چھ ماہ کا پیشگی کرایہ اس کی اماں ادا کر گئی ہیں۔

"ارے اماں اصل مالک تو آپ ہیں اس گھر کی، مہرین جاؤ کچھ ناشتا وغیرہ تیار کرو۔" عاصم بدستور انہیں رام کرنے میں مصروف تھا۔ مہرین نے بھی اس بہانے سامنے سے ہٹ جانے میں ہی عافیت جانی۔

*_*_*

"یہ سب کیا ہے عاصم؟ تم نے آخر یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپایا تھا۔" رات کو اپنے کمرے میں آتے ہی مہرین پھٹ پڑی، سارا دن اسی اعصاب شکن صورت حال کا سامنا کرتے کرتے اس کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔

"کیا چھپایا تھا میں نے؟ تمہیں نہیں پتا تھا کہ میرے والدین اور بہن موجود ہیں، ناراض تھے تو کیا ہمیشہ ہی ناراض تو نہیں رہ سکتے تھے۔" وہ اکھڑپن سے غرایا تو اس کے لہجے کی تبدیلی مہرین کو چونکا گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے میں تو خود ان سے ملنا اور انہیں منانا چاہ رہی تھی لیکن یہ تو کچھ عجیب سے لوگ....."

"بس بس بہت ہو گیا۔" وہ اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ایک دم غصے میں آ گیا "کیا عجیب و غریب ہیں، میں سب سمجھتا ہوں تمہاری باتوں کا مطلب، میرے سیدھے سادے والدین کو جاہل گنوار ثابت کرنا چاہ رہی ہو، کان کھول کر سن لو مہرین بیگم، وہ جیسے بھی ہیں میرے ماں باپ ہیں، ان کی دیکھ بھال اور خدمت میرا فرض ہے اور اگر سمجھو تو تمہارا ابھی، اپنی پسند سے شادی کر کے میں انہیں ایک دکھ پہنچا چکا ہوں، اب انہیں میرے حوالے سے کوئی تکلیف پہنچے یہ میں بالکل برداشت نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو تم سنو اپنے اماں ابا کا لیکچر۔" عاصم کے لہجے میں جھانکتی اجنبیت مہرین کو بری طرح تپا گئی اس نے بھلا کب اپنی مرضی کے خلاف کچھ سننا گوارا کیا تھا۔

"جب اتنے ہی فرمانبردار تھے تو میرے ساتھ یہ سارا ڈرامہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔"

"میں نے کیا ڈرامہ کیا ہے، میں نے کوئی ہاتھ تو نہیں جوڑے تھے شادی کے لیے تم ہی پیچھے پڑی ہوئی

تھیں، نہیں تو مجھے کیا مصیبت تھی جو میں اپنے گھر والوں کی عدم موجودگی میں اتنا بڑا قدم اٹھاتا اور تم! الٹا بجائے میری شکر گزار ہونے کے الٹا الزام دے رہی ہو۔" عاصم نے کمبل اپنے اوپر کھینچتے ہوئے کہا تو وہ حیرت بھری نظروں سے اپنے محبوب شوہر کو دیکھتی رہ گئی۔

اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ عاصم نے کہا ہے وہ تو سمجھتی تھی کہ عاصم نے اس کی محبت میں اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا لیکن اس لمحے کا یہ انکشاف کہ اس نے تو اپنی ذات کو مجبوری کا سودا بنا کر عاصم کے سر منڈھا ہے۔ اس کے دل کو کہیں پاتال میں گرائے جارہا تھا۔ اپنی ذات کا سارا فخر روئی کے گالوں کی طرح بکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی بے آواز آنسو اس کے چہرے اور دامن دونوں کو بھگوتے رہے کافی دیر بعد اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو عاصم گہری نیند سو چکا تھا اس کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"شاید رات کے کسی پہر یا کل صبح عاصم اپنی باتوں پر شرمندہ ہو اور کہے کہ "مہرین تم تو میری اولین محبت ہو بھلا میں تم سے کیسے دستبردار ہو سکتا ہوں' یہ سب کچھ تو میں غصے میں کہہ گیا تھا۔" کروٹ لیے لیٹی مہرین کے کان میں دل خوش فہم نے پھر سرگوشی کی تو وہ کچھ پرسکون ہونے لگی۔

"اگر ایسا ہوا تو میں بھی اب دوبارہ یہ موضوع نہیں چھیڑوں گی جیسے بھی ہیں عاصم کے والدین انہیں خدمت اور محبت سے اپنا بناؤں گی' غلطی میری بھی ہے مجھے عاصم کے سامنے اس طرح کی بات کرنی ہی نہیں چاہیے تھی ظاہر ہے کون اپنے گھر والوں کی برائی سن سکتا ہے۔"

عورت کی فطرت میں رچی ازلی محبوبیت نے ایک دفعہ پھر محبوب کو بری الذمہ قرار دے کر گناہ اپنے کھاتے میں ڈالنے چاہے۔ لیکن نہ اس رات نہ اس سے اگلی صبح اور نہ ہی اس کے بعد آنے والی بہت سے صبحوں میں کوئی پھول کھلا نا خوش کن لمحہ اس کی جھولی میں گرا۔

صبح و شام میں عجب سرد مہری سی بس گئی تھی۔ پہلی تنخی پیدا ہوئے بھی اب تقریباً" ڈیڑھ ماہ ہونے کو آئے تھے۔ عاصم نے اس تمام عرصے میں بارہا مہرین کو یہ جتا دیا تھا کہ حالات کو جوں کا توں اسے برداشت کرنا ہے۔ نہیں تو وہ کچھ اور فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے لہجے کی قطعیت مہرین کے سارے وجود پر ایک مایوسی بن کر پھیل گئی تھی وہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئی تھی عاصم کے والدین کا رویہ بھی الامان! خاص طور پر اس کی اماں' وہ تو مہرین کو ذرا سی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

"مہرین قمیص کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے ذرا جلدی سے ٹانک دو۔" عاصم قمیص لیے کچن میں ہی چلا آیا جہاں وہ رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی اب اس کی گھریلو زندگی بھی بہت مصروف ہو کر رہ گئی تھی آفس سے آنے کے بعد رات کا کھانا پکانے گھر کی صفائی اور سینکڑوں چھوٹے موٹے کام اس کی توجہ کے محتاج ہوتے تھے عاصم کی ماں اپنی بیٹی کو تو شاید قسم دلا کر لائی تھیں کہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانا۔

"ذرا سی دیر رک جاؤ ذرا یہ قیمہ بھون دوں۔" مہرین نے نرمی سے جواب دیا۔ عاصم سے الجھنا اس نے بالکل چھوڑ دیا تھا کیا فائدہ جب انسان کے پاس دوسرا کوئی راستا ہی نہ ہو اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اماں کو اب اپنی ذات سے کسی دکھ یا الجھن میں مبتلا نہیں کرے گی' یہی وجہ تھی کہ ان کے ہر ٹیلیفون پر سب اچھا ہے کی رپورٹ وہ انہیں خوشی خوشی سناتی اور دور بیٹھی ماں کا دل مطمئن ہو جاتا عاصم کا لہجہ بھی ان سے بات کرتے ہوئے بہت محبت والا ہو جاتا تھا۔

"کس کمال کا اداکار ہے یہ شخص۔" مہرین حیرت سے سوچتی۔

الجھے الجھے بالوں اور ملگجے کپڑوں میں ملبوس مہرین پر اس نے ایک نظر ڈالی۔

"ناہید سے کہا کرو' تمہارا ہاتھ بٹایا کرے۔" نہ جانے اس سے سننے میں غلطی ہوئی تھی یا واقعی وہ مائل بہ کرم تھا۔

"ناہید' ناہید یہ کیا سارا وقت رسالوں اور ٹی وی میں لگی رہتی ہو' سارا دن گھر میں ہوتی ہو کچھ تو گھر میں دلچسپی لیا کرو۔" وہ مہرین کو وہیں چھوڑ کر بہن کے سر پر جا پہنچا' جو حسب معمول صوفے میں دھنسی ویڈیو دیکھنے میں مصروف تھی' جہیز میں لائے اس قیمتی صوفے کو دیکھ دیکھ کر مہرین کا دل روتا تھا جو چاٹ' چھولے' کھانا پینا غرض ناہید کے سارے مشاغل کی نذر ہو کر دیدہ عبرت بن چکا تھا۔

"شرم تو نہیں آتی تجھے' ذرا سی دیر میں بیوی نے بھر دیا اور تو کھڑا ہو گیا بہن پر چلانے۔" اماں حسب عادت فل والیوم سے گویا ہوئیں۔

"اماں میں ایک بات سمجھا رہا ہوں' آپ غلط بات نہ کریں۔" وہ نہ جانے کس موڈ میں تھا جو بیوی کی حالت پر ذرا سا رحم آ گیا تھا۔

"ہاں ہاں غلط باتیں تو ہم ہی کرتے ہیں' صحیح تو تو ہے یا تیری بیوی' ارے میری بچی' تیری قسمت ہی خراب ہے تو اب بھائی بھاوج کے ہاں نوکری کرے گی' تو پھر روٹی کے دو ٹکڑے کھانے کو ملیں گے۔" انہوں نے خوامخواہ ہی آنکھوں پر دوپٹہ رکھ لیا ادھر بٹی صاحبہ نے بھی اس سین میں زیادہ جان پیدا کرنے کے لیے اماں کے کندھے پہ سر رکھ کر سسکیاں لینی شروع کر دیں۔

"ارے اماں میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو یہ' اف مر گیا۔" لاؤنج میں پڑے بکس سے پیر ٹکرانے پر عاصم پیر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ لاؤنج اور کمرے اب ہمہ وقت ریلوے پلیٹ فارم کا سا منظر پیش کرتے تھے۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا عاصم کی ماں' ہمارا گزارا ان کے ساتھ مشکل ہے' اس بے عزتی سے تو کہیں اچھا ہے کہ میں بھیک مانگ کر تمہارا اور اپنی بیٹی کا پیٹ پال لوں۔"

ابا بھلا کیسے پیچھے رہتے حالانکہ اچھے خاصے صحت مند تھے مہرین نے تو سوائے انتہائی ضرورت کے انہیں بستر سے اٹھتے نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ چہل قدمی کو بھی انتہائی فضول قرار دیتے تھے۔

"کس قدر پاگل پن ہے بھلا اس عمر میں خود کو اتنا تھکانا' کہیں جوڑ کھل گئے تو بالکل ہی بستر سے لگ جائیں۔" انہوں نے بلاک میں رہنے والے چند بزرگ خواتین و حضرات کو پابندی سے صبح و شام کی واک کرتے دیکھ کر تبصرہ کیا تھا۔

"کم بخت دنیا تو تیری خراب ہو ہی چکی ہے اب عاقبت بگاڑنے پر کیوں تلا ہے' وہ بھی ایسی لڑکی کے پیچھے جس نے سسرال والوں کا بارات کے ساتھ آنا بھی ضروری نہ سمجھا' ارے ماں باپ کے حقوق تو کوئی خوش قسمت ہی ادا کر سکتا ہے۔" عاصم کو متاثر ہوتا دیکھ کر اماں نے "مذہب میں والدین کے حقوق" پر بصیرت افروز لیکچر کا آغاز کر دیا۔

نہ جانے ہم سب مذہب میں سے صرف اپنے اپنے مطلب کی باتیں ہی کیوں نکالتے ہیں' کچن میں کھڑی مہرین کو اب کچھ اور سنائی نہیں دے رہا تھا' مرضی سے کی گئی شادی اس کے لیے ایک الزام بن گئی تھی' جو عاصم کے علاوہ گھر والوں کے منہ سے بھی نہ جانے کتنی دفعہ کس کس عنوان سے اس کی روح کو چھید ڈالتی تھی۔

واقعی جو بہوویں سارے گھر والوں کی خوشی کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کرتی ہیں ان کی خوش بختی اور احترام کا الگ ہی رنگ ہوتا ہے۔ بعد میں چاہے سسرال والے لاکھ اس کے رویے کو ناپسند کریں لیکن ایک لحاظ اور ظاہرداری بہرحال برقرار رہتی ہے اس طرح سے بے توقیر تو نہیں ہوتیں۔

باہر ہونے والا ہنگامہ اب سرد پڑ چکا تھا۔ عاصم رفع شر کی خاطر شاید نیچے جا چکا تھا۔ ٹی وی کی تیز آواز نے اس کو باور کرا دیا کہ سب دوبارہ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو چکے ہیں سو وہ بھی غنیمت جان کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

انور کی بیٹی کا عقیقہ تھا' خالہ جان اور انور خود کارڈ لے کر آئے تھے مہرین اور عاصم کے علاوہ اس کے ساس سسر اور نند کو بھی بڑے اصرار سے مدعو کر کے گئے تھے۔ مہرین کا دل تو نہ چاہتا تھا لیکن خالہ جان کی محبتوں کے آگے وہ مجبور تھی۔ اس کے لیے ان کی شفقتوں میں کبھی کمی نہ آئی تھی۔ شروع شروع میں تو

وہ اکثر آجایا کرتی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ عاصم کی اماں کی زبان کی تیزی نے انہیں اپنے قدم روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سمجھ گئیں کہ ان کا زیادہ آنا جانا مہرین کی مشکلات میں اضافہ ہی کرے گا فون پر البتہ وہ اس کی خیر خبر ہر دوسرے تیسرے دن لے لیا کرتی تھیں۔

خالہ جان نے تو بڑے اصرار سے مہرین کو صبح سے آنے کو کہا تھا بلکہ اس کی ساس سے بھی درخواست کی تھی کہ مہرین کو صبح سے بھجوادیں جس کے جواب میں انہوں نے چیخ کر کہا تھا۔

"تو بھلا ہم بھجوانے والے کون ہیں۔ خود مختار ہیں' جہاں چاہیں جائیں جہاں چاہیں آئیں' ہم نے کون سے پیر پکڑے ہیں۔"

صبح سے تو خیر نہیں لیکن مہرین یہ ضرور چاہ رہی تھی کہ وقت سے ذرا پہلے پہنچ جائے تو اچھا ہے' لیکن ناہید اور ان کی اماں کی تیاریوں میں پوری شام نکل گئی اماں کی تیاری دیکھ کر مہرین حیران تو تھی ہی لیکن ساتھ ساتھ تھوڑی سی پریشان بھی' ان کی اور ناہید کی سج دھج میں انیس بیس کا فرق بھی نہ تھا بھاری کام کے جوڑے کے ساتھ بھاری ہی زیور اور میچنگ سینڈل تک موجود تھی' خود اس نے بھی اپنی ماں کو ہلکے رنگوں کے علاوہ کچھ اور پہنے نہ دیکھا تھا خالہ جان بھی بھی چھوٹے چھوٹے ٹاپس اور باریک سی چین کے علاوہ زیور کے استعمال میں محتاط ہی رہتی تھیں اسی لیے اب مہرین دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی ظاہر ہے عقیقہ میں خاندان اور جان پہچان کے کتنے ہی لوگ ملتے لیکن اس وقت ساس کو کچھ کہنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا تھا اور اس نے تو اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں بڑی سے بڑی باتوں کے جواب میں بھی چپ کا روزہ نہ توڑا تھا۔

جس وقت یہ لوگ تقریب میں پہنچے تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ ہال پوری طرح مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ خالہ جان البتہ بے تابی سے داخلی دروازے پر ہی موجود تھیں' مہرین کو دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

"خیر تو تھی اتنی دیر کیسے ہو گئی۔" انہوں نے مہرین کی ساس کا تپاک سے سواگت کیا۔

"تمہارے دروازے پر تمہاری طرح گاڑی تو کھڑی نہیں ہے جو جب دل چاہا اور چل دیے ظاہر ہے رکشہ ٹیکسی میں وقت تو لگتا ہے۔" ان کا موڈ تو ہمیشہ سوا نیزے پر رہتا تھا' اپنے سارے اہتمام کو وہ گول کر گئیں۔

"اچھا چلیں اندر تو چلیں' اور بھائی صاحب آپ تو خیریت سے ہیں۔" خالہ جان نے بات کا رخ موڑتے ہوئے عاصم کے والد کو مخاطب کیا جو اس وقت شکر ہے خوشگوار موڈ میں تھے فوراً ہی اپنی کسی خود ساختہ بیماری کا حال تفصیل سے سنانا شروع کر دیا۔

"اوہ یہ خاص الخاص پھوپھی جان اب تشریف لا رہی ہیں۔" سائرہ بھابھی نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر پیار کیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"ماشاء اللہ بھابھی کتنی پیاری سی گڑیا ہے' بہت بہت مبارک ہو۔" ننھی سی ربا کو گود میں لے کر وہ سچ مچ بہت خوش ہو گئی۔

"بھئی کیوں نہ پیاری ہو' آخر اتنی حسین پھوپھی کی بھتیجی ہے۔" سائرہ بھابھی نے خوشدلی سے اسے سراہا تو وہ جواباً مسکرا بھی نہ سکی۔ اس حسن کے زعم نے تو اسے یہ دن دکھایا تھا اب تو سچی بات ہے اس کا آئینہ میں اپنی شکل دیکھنے کا بھی دل نہ چاہتا تھا۔

"توبہ ہے مہرین آخر کہاں ہوتی ہو تم۔ ہم تو تمہاری شکل دیکھنے کو ترس گئے ہیں شادی نہ ہوئی کالے پانی کی سزا ہو گئی۔" اس کی ایک کزن قریب چلی آئی۔

"ارے بیٹا شادی کے بعد سب یوں ہی اپنے اپنے گھروں کے دھندے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔" خالہ جان نے اسے جواب دینے سے بچانا چاہا۔

"آنٹی شادیاں تو سب کی ہوتی ہیں' لیکن مہرین تو بالکل بدل کر رہ گئی رنگ و روپ کچھ بھی تو پہلے جیسا نہ رہا۔" ایک اور واقف کار لڑکی نے تبصرہ کیا۔

"اور جبکہ ہمارے دولہا بھائی ماشاء اللہ کتنے فریش اور اسمارٹ ہو رہے ہیں۔" ایک اور نے فقرہ چست کیا تو مہرین نے بڑے دنوں بعد عاصم کو غور سے دیکھا' سفید کلف لگے قمیص شلوار میں قیمتی پرفیوم میں بسا

ہوا' وہ اپنی شخصیت کے سارے سحر کے ساتھ نمایاں تھا۔

"ویسے عاصم بھائی اس حسن کا راز۔" ایک اور شوخ قہقہہ بلند ہوا تو مہرین کا دل چاہا کہ چیخ چیخ کر ان معصوم لڑکیوں کو جو ابھی زندگی کی تلخ حقیقتوں سے نا واقف ہیں بتائے کہ "خدا کے لیے اس ظاہری چمک دمک پر نہ جاؤ' اس خوش رنگ پردے کے پیچھے زندگی کے اسٹیج پر کبھی کبھی بہت بدصورت کھیل ہوتا ہے جو زندگی سے رہے سہے رنگ بھی اڑا دیتا ہے۔"

"اے ہے لڑکیو کیوں میرے بچے کو نظر لگانے پر تلی ہو' اس کا خون بہت ہلکا ہے۔" مہرین کی ساس نے کراری آواز میں پھنکارا تو اپنی تعریف پر شاداں و فرحاں عاصم بدمزا ہو کر رہ گیا۔

"ارے بہن آئیں کھانا لگ گیا ہے' آپ کہاں ان لڑکیوں کی باتوں میں الجھ گئیں۔" خالہ جان چند ہی دنوں میں مہرین کی ساس کی رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت سے اچھی طرح واقف ہو گئی تھیں۔

"ویسے مہرین تمہاری ساس اور ہسبینڈ کو ایک ساتھ دیکھ کر واقعی یقین ہو جاتا ہے کہ گلاب کے ساتھ کانٹے کی موجودگی لازمی ہے۔" اس کی ایک کزن نے سرگوشی کی۔

"ہاں بہن قسمت والی ہو جو بیٹے کی اولاد گود میں کھلا رہی ہو' یہاں تو لگتا ہے یہ حسرت دل میں لیے ہی قبر میں جا سوئیں گے۔" مہرین کی ساس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تو اپنی پلیٹ پر جھکی مہرین سے سر نہ اٹھایا گیا جانے آس پاس کتنے لوگوں نے ان کا یہ دل چیرنے والا فقرہ سنا ہو گا۔

"ایسا نہ کہیں بہن اللہ نے چاہا تو میری مہرین بھی بیٹا اور بیٹی دونوں گود میں کھلائے گی۔" اس سے خالہ جان اسے بالکل اماں جیسی لگیں۔

مہرین کی ساس نے طنزیہ ہنکارا بھرنے پر ہی اکتفا کیا کیونکہ قریب بیٹھی ناہید انہیں تنبیہی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ناہید کو اس بات کا بہت خیال رہتا تھا کہ وہ لوگ جب کہیں جائیں تو بہت تہذیب یافتہ گھرانے کے افراد دکھائی دیں اس کے لیے ضروری تھا کہ والدہ صاحبہ کا انداز گفتگو تہذیب کے دائرے میں رہے۔ اسی لیے وہ خود بھی گھر میں چاہے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھائے رکھتی لیکن کسی محفل میں اس کی گفتگو مدھر مسکراہٹ کے ساتھ دھیرے دھیرے بولے گئے چند جملوں پر ہی محیط ہوتی تھی اور اس وقت تو آس پاس کئی اسمارٹ لڑکے نظر آ رہے تھے سو وہ اماں کی وجہ سے اپنا امپریشن خراب نہیں ہونے دینا چاہ رہی تھی۔

"ارے مہرین یہ کیا خالی پلیٹ لیے بیٹھی ہو کچھ نکالو۔" سائرہ بھابھی اس طرف چلی آئیں۔

"نہیں بھابھی پلیز! میں اچھی طرح کھا چکی ہوں اب بالکل گنجائش نہیں۔" ان کے اصرار پر مہرین نے صفائی سے جھوٹ بولا۔

دکھ کی ایک دبیز چادر اسے اپنے چاروں طرف تنی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کیا اسے اولاد کی خواہش نہیں تھی لیکن زندگی کی اس سب سے بڑی خوشی کا گلا گھونٹنے والا بھی وہ ستمگر ہی تھا۔

"ہم ابھی بچہ افورڈ نہیں کر سکتے۔" یہ اسی کا کہنا تھا جس کا مطلب مہرین اچھی طرح سمجھتی تھی۔ ظاہر ہے بچہ ہو جانے کی صورت میں وہ اپنی ملازمت جاری نہیں رکھ سکتی تھی اور اس کی ملازمت عاصم کے لیے ایک بڑا بینیفٹ تھا۔ وہ فطرتاً" خود پرست انسان تھا اپنی تنخواہ کا بڑا حصہ وہ اپنے لباس اور دیگر آسائش کی چیزوں پر خرچ کر دیتا تھا۔ اس کی جس ویل ڈریسنگ کی مہرین کبھی دیوانی ہوتی تھی۔ اب وہی شوق اس کے جی کا جنجال بن چکا تھا۔ ایسے میں مہرین کی نوکری گھر کی اشد ضرورت تھی۔

خود مختار ہوتے ہوئے بھی وہ کتنی بے اختیار تھی یہ اس کا دل ہی جانتا تھا عاصم اس کی یہ کمزوری اچھی طرح جان چکا تھا اور وہ خود اب اپنے کیے کو ہر صورت نبھانا چاہتی تھی' اماں اور شہزاد بھائی کو اس کی طرف سے کوئی دکھ ملے یا دنیا اس پر ہنسے یہ اسے کسی طرح منظور نہیں تھا۔

سامنے کھڑی سائرہ بھابھی کو بے فکری سے ہنستا دیکھ کر اسے بے طرح رشک آیا۔ کتنا سکون اور طمانیت

تھی ان کے چہرے پر خالہ جان کس طرح ان پر واری صدقہ ہوتی تھیں پاس کھڑے انور نے جھک کر ان سے کچھ کہا تو وہ پھر کھلکھلا کر ہنس دیں، ننھی ربا کو گود میں لیے وہ دونوں کس قدر آسودہ اور مکمل لگ رہے تھے۔

انور کے متعلق اپنے پچھلے ریمارک یاد کر کے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی وہ کتنا مہذب اور ذمہ دار شخص لگ رہا تھا۔ سب رشتوں کو محبتوں کے ساتھ نبھاتا ہوا۔

اور وہ خود! وہ خود کتنا گر گئی تھی اسے اپنے وجود سے شرم محسوس ہونے لگی۔

"بیٹا یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو، چلو میں کب سے مووی بنوانے کے لیے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" خالہ جان کے کہنے پر وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ ان کی بوڑھی آنکھوں میں اس کے لیے ملال کے کتنے سائے لرزاں تھے۔

*_*_*

آج وہ کتنے عرصے بعد اپنی کولیگ مسز سجاد کے ساتھ دفتر سے اٹھتے ہوئے قریبی شاپنگ مال میں آئی تھی، عاصم اسے کبھی کبھار پک کر لیا کرتا تھا۔ وہ عموماً آفس سے جلد اٹھ جاتا تھا جبکہ مہرین کے کام کی نوعیت، چار بجے سے پہلے فارغ نہیں ہونے دیا کرتی تھی۔ لہٰذا وہ عام طور پر گھر سے نزدیکی پوائنٹ کو ہی استعمال کرتی تھی۔

مسز سجاد کی کوئی رشتہ دار خاتون مل گئی تھیں وہ ان سے باتوں میں مصروف ہو گئیں مہرین وقت گزاری کے لیے دکانوں کے باہر لگے ہوئے شوکیسوں میں ملبوسات دیکھنے لگی اسے یہ سب بڑے اجنبی سے لگے خود اسے کتنا عرصہ ہو گیا تھا کوئی نیا کپڑا بنائے وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ آج کل بڑے پائنچوں کا فیشن ہے، قمیصوں کی لمبائی کم ہے یا زیادہ آدھی آستینوں کا فیشن کب شروع ہوا اسے تو کچھ بھی پتا نہیں تھا۔

اس کے دل سے ہوک سی اٹھی وہ ایسی کب تھی جب گھر میں دولت کی کمی تھی تب بھی اماں اسے اچھے سے اچھا پہناتی تھیں کم قیمت کپڑا بھی ان کے سلیقہ مند ہاتھوں میں آ کر بیش قیمت ہو جاتا تھا۔ پھر جاب میں آنے اور شہزاد کے باہر جانے کے بعد تو اس کی شخصیت کے سارے رنگ کھلتے چلے گئے مارکیٹ میں جب بھی نیا کپڑا آتا وہ سب سے پہلے خریداروں میں ہوتی تھی پھر بھائی کے بھیجے گئے غیر ملکی ملبوسات۔

وہ تو خیر اب بھی آنے جانے والے کے ہاتھ کافی کپڑے بھجوا دیا کرتا تھا لیکن عاصم نے کہہ دیا تھا کہ یہ سب ناہید کے جہیز کے لیے اماں کے پاس رکھوا دو حالانکہ اماں اور ناہید ان میں سے بیشتر سلوا کر پہن لیتی تھیں۔

اس کی پلکیں خود بخود بھیگنے لگیں "پتا نہیں مسز سجاد کہاں رہ گئیں۔" مہرین نے سر جھٹکتے ہوئے نظریں شوکیس سے ہٹا کر سامنے سڑک پر جمائیں تو نگاہ پلٹنی بھول گئی۔

سڑک کے دوسری جانب بنے شاپنگ سینٹر سے ڈھیر سارے پیکٹ اٹھائے باہر نکلتا وہ یقیناً "عاصم ہی تھا۔ اس کے ساتھ جدید تراش کے لباس میں وہ جو کوئی بھی تھی خاصی خوش شکل تھی پارکنگ میں کھڑی نئے ماڈل کی اکارڈ میں سامان پیچھے رکھ کر عاصم نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی وہ لڑکی اس کی برابر والی سیٹ پر آ گئی تھی۔ سڑک کے دوسرے کنارے کھڑے ہو کر بھی مہرین نے عاصم کے چہرے پر چھائی سرشاری کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لڑکی کے چہرے پر بھی گویا مسکراہٹ نے مستقل بسیرا کیا ہوا تھا۔

"توبہ ہے یہ میری جٹھانی کی بہن بھی جہاں مل جائیں گی نہ جانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑ دیں گی اور تم بھی خوب ہو مجھے چھوڑ کر یہاں آ گئیں۔" مسز سجاد حسب عادت بولتی چلی آ رہی تھیں۔

"مہرین... مہرین کیا بات ہے خیر تو ہے اس طرح گم سم کیوں کھڑی ہو۔" وہ اپنی باتوں کا جواب نہ ملنے پر پریشان ہو گئیں۔

"کچھ نہیں چلیں۔" اس نے صبر و ضبط کے کتنے ہی مراحل لمحوں میں طے کیے۔

*_*_*

آنکھوں پر ہاتھ رکھے مہرین نہ جانے کتنی دیر سے لیٹی تھی بارہ بجنے کو تھے لیکن عاصم کا اب تک پتا نہ

تھا۔ آج کل وہ دیر سے ہی گھر آتا تھا۔ کھانا بھی کئی دنوں سے باہر ہی کھا کر آتا تھا۔ آج جو کچھ مہرین نے دیکھا تھا وہ اس کے لیے بالکل غیر متوقع تو خیر نہیں تھا لیکن انتہائی تکلیف دہ ضرور تھا۔ عاصم کی ہرجائی طبیعت سے تو وہ جلد ہی آگاہ ہو گئی تھی۔ آفس میں تقریبات میں ہر جگہ وہ اپنی خوب صورتی کا فائدہ اٹھانا جانتا تھا۔ قریبی فلیٹوں میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی بھی بارہا مہرین نے نوٹ کی تھی۔ لیکن اور بہت سی باتوں کی طرح مہرین نے اس طرف سے بھی دل پر پتھر رکھ لیا تھا اور یہ بھی تھا کہ کسی معاملے نے کوئی سنجیدہ صورت بھی اختیار نہیں کی تھی۔ لیکن آج اسے اپنے چاروں طرف خطرہ منڈلاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا عاصم کی اس لڑکی سے بے تکلفی احساس دلا رہی تھی کہ معاملہ سیریس ہے۔

داخلی دروازے پر آہٹ سنتے ہی اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی وہ اس وقت عاصم کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

اندر آنے والا عاصم ہی تھا اور حسب توقع خاصا خوش تھا۔ گزرا ہوا خوش گوار وقت اس کے موڈ کو یکسر بدلے ہوئے تھا۔ سیٹی پر شوخ سی دھن بجاتے ہوئے وہ واش روم میں گھس گیا چینج کر کے بیڈ پر آتے ہوئے اس نے مہرین کو دو تین آوازیں بھی دیں لیکن وہ سوتی بن گئی اس کا دل اس وقت عاصم کی شکل دیکھنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا وہ جو اس کے لیے محض چیونٹیوں بھرا کباب ہی ثابت ہوا تھا۔

--*

چند دنوں سے مہرین محسوس کر رہی تھی کہ مسز سجاد اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہیں مگر رک رک سی جاتی ہیں۔ آخر انہوں نے اسے آفس ٹائم کے بعد پکڑ ہی لیا۔

”مہرین میں جو کچھ کہنے جا رہی ہوں‘ وہ تمہیں اچھا تو نہیں لگے گا لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تم بے خبری میں ماری جاؤ۔“

پھر اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں مسز سجاد نے جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ تھا کہ جس فیکٹری میں سجاد صاحب جاب کرتے ہیں وہاں انہوں نے اتفاق سے عاصم کو آتے جاتے دیکھا تھا۔ جب انہوں نے اسے ایم ڈی صاحب کی گاڑی آزادانہ طور پر استعمال کرتے دیکھا تو ان سے رہا نہ گیا۔ اور انہوں نے ایم ڈی صاحب کے ڈرائیور سے اس کی بابت معلوم کیا تو وہ یہ جان کر حیران رہ گئے کہ عاصم ‘صاحب‘ کا ہونے والا داماد ہے اور ان کی اکلوتی بیٹی سے جلد ہی اس کی باقاعدہ منگنی ہونے والی ہے‘ یہ سن کر سجاد صاحب تو چکرا کر رہ گئے‘ اور انہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اس سارے معاملے کو فوراً“ سے پیشتر مہرین کے علم میں لایا جائے۔

اس سارے معاملے کو مسز سجاد کی زبانی سنتے ہوئے مہرین کا دل چاہ رہا تھا۔ کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اس شخص نے اس کا ہر بھرم توڑ کر رکھ دیا تھا۔ گو مسز سجاد کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں تھا۔ یہ ان کی اور ان کے شوہر کی ہمدردی ہی تھی جو وہ مہرین کو آگاہ کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے لیکن اپنی ذات کے رستے ہوئے پہلو تو انسان خود سے بھی پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ہزار پردے ڈالے رکھتا ہے۔

بہر حال اب کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ اس روز عاصم کے ساتھ نظر آنے والی لڑکی سجاد صاحب کے ایم ڈی کی بیٹی ہی تھی۔ پر عاصم سے اس کا ربط وضبط اتنا کس طرح بڑھا یہ وہ نہ جان پائی اور نہ ہی سجاد صاحب کو اس بارے میں کچھ علم تھا۔

--*

نائلہ کو فون کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ یہ فون نمبر سجاد صاحب کی کوششوں سے ہی ملا تھا۔ ان ہی کا مشورہ تھا کہ مہرین کو براہ راست نائلہ سے بات کرنی چاہیے‘ کیونکہ اب پانی سر سے اونچا ہو چلا ہے۔

فون غالباً“ کسی ملازم نے ریسیو کیا تھا جو مہرین کو انتظار کرنے کا کہہ گیا تھا۔

”نائلہ اسپیکنگ“۔ چند ساعت بعد دوسری طرف سے آواز ابھری تو لمحے بھر کے لیے مہرین سے دل

سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

"مس نائلہ مجھے آپ سے ملنا ہے، بہت ضروری۔" اتنی سی بات کہتے ہوئے بھی اس سے اپنی آواز کی لرزش چھپی نہ رہ سکی۔

"لیکن آپ ہیں کون؟ میں پہچانی نہیں۔" دوسری طرف کی حیرانی بجا تھی۔

"ہم آپ پہلے کبھی نہیں ملے، لیکن یقین کریں یہ ملاقات ہم دونوں کے لیے ضروری ہے۔"

"پھر بھی کچھ اتا پتا، اس طرح اجنبیوں سے میں کبھی نہیں ملتی۔" نائلہ اب بھی تذبذب کا شکار لگ رہی تھی۔

"میں آپ سے عاصم کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ میرے خیال میں اب آپ کی الجھن کچھ نہ کچھ ضرور رفع ہو گئی ہو گی۔" مہرین کا لہجہ پرسکون ہو چلا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر بتائیں کہ آپ سے ملاقات کب اور کہاں ہو سکتی ہے؟" نائلہ نے فیصلہ کن انداز میں سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود آپ کے گھر آ سکتی ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ابھی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آجائیں، میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ شاید کشمکش میں خود کو زیادہ دیر رکھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"مس نائلہ یہ ملاقات اگر تنہائی میں ہو تو...."

"آپ فکر نہ کریں میں سمجھتی ہوں۔"

"اچھا تو پھر ملتے ہیں، خدا حافظ۔" مہرین نے ریسیور رکھتے ہوئے مسز سجاد کی طرف دیکھا۔

"بالکل صحیح کیا تم نے، اب سجاد تمہیں سبحانی صاحب کے ہاں چھوڑ آئیں گے۔" انہوں نے نائلہ کے والد کا نام لیتے ہوئے کہا۔ مسز سجاد ہی کے گھر سے یہ بات چیت ہو رہی تھی۔ عاصم آج صبح ہی دو روز کے لیے فرم کے کام سے شہر سے باہر گیا تھا۔ لہٰذا وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی آج مہرین اور مسز سجاد دونوں ہی نے آفس سے چھٹی لی تھی۔ پروگرام یہ تھا کہ سجاد صاحب آج لنچ بریک تک گھر آجائیں گے اور پھر اپنے گھر سے مہرین کو لے کر نائلہ کے ہاں چھوڑ آئیں گے۔

"ریلیکس! مہرین اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مسز سجاد نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی مہرین کی اضطرابی کیفیت کو بھانپتے ہوئے تسلی دی۔ سجاد صاحب نے گاڑی نائلہ کے گھر سے ذرا ہٹ کر پارک کی تھی۔ کیونکہ انہیں سبحانی صاحب کا گیٹ کیپر اور دیگر ملازم اچھی طرح پہچانتے تھے۔

"آپ کا اور سجاد بھائی آپ کا احسان میں زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گی۔" مہرین کی آواز رندھ گئی۔

"بھائیوں کے بہنوں پر احسان نہیں ہوتے، آئندہ ایسی بات نہ کرنا۔" سجاد صاحب نے دھیرے سے مہرین کا سر تھپتھپایا تو اسے شدت سے میلوں دور بیٹھا شہزاد یاد آگیا۔

"اچھا بس اب جاؤ، جتنی جلدی بات ہو جائے بہتر ہے۔" سجاد صاحب نے کہا تو اس نے اپنی گیلی ہوتی پلکوں کو خشک کر لیا۔

گیٹ سے ڈرائنگ روم تک پہنچتے پہنچتے وہ بالکل پرسکون ہو چکی تھی۔ کم از کم دل کی وہ بے قرار کیفیت اور یخ ہوتے ہاتھ پاؤں اب بالکل نارمل تھے۔ اسے خود اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی شاید اتنے دن سے اپنے آپ سے لڑتے لڑتے اس کے اعصاب تھک چکے تھے اس نے سوچ لیا تھا اب اچھا یا برا کسی بھی فیصلے کا یقین اس اذیت ناک صورت حال کا خاتمہ تو کر دے گا جس میں پچھلے کئی دن سے وہ مسلسل مبتلا تھی۔

"اسلام علیکم! میں نائلہ ہوں۔" اسے بھی شاید بہت جلدی تھی جو مہرین کو بالکل بھی انتظار نہیں کرنا پڑا۔

براؤن کلر کے ہم رنگ کڑھے ہوئے سوٹ میں وہ چمکدار بالوں کے ساتھ خاصی بھلی لگ رہی تھی، مہرین نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ انداز میں البتہ وہی بے نیازی تھی جو اس طبقے کا خاصہ ہے۔

"میں مہرین ہوں! مسز مہرین عاصم۔" مہرین نے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں تو اس

کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر اسے دل کی گہرائیوں سے رنج ہوا۔

"بکواس ہے یہ سب ایسا کیسے ہوسکتا ہے عاصم اور میں تو....." نائلہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تو مہرین کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اس بات کے سچ ہونے میں مجھے کوئی خوشی نہیں نائلہ، پھر بھی میں اسی سچائی سے تم کو آگاہ کرنے یہاں تک چلی آئی ہوں۔" مہرین نے پرس سے نکاح نامہ اور دیگر شناختی کاغذات نکال کر نائلہ کے ہاتھ میں دیے جو وہ سجاد بھائی کے کہنے پر ساتھ لے کر آئی تھی۔

تیزی کے ساتھ کاغذات پر نظر ڈالتی نائلہ کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔ مہرین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا ورنہ تو کتنے لمحوں سے وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی تھی نہ جانے کتنے خوب صورت خواب اس نے پلکوں تلے بن ڈالے ہوں گے، کتنے ہی دل ربا وعدے اس کی مٹھی میں بند ہوں گے۔

"نائلہ مجھے واقعی بہت....."

"نہیں مہرین کچھ نہ کہیں، غلطی تو میری ہے، لیکن یقین کریں میں بے قصور ہوں انجانے میں آپ کو میری ذات سے جتنا صدمہ پہنچا ہے اس کے لیے مجھے معاف کردیں پلیز!"

نائلہ نے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی تو مہرین کا دل اس پیاری سی لڑکی کے آگے جھکتا چلا گیا۔

"عاصم صرف آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا، میں آپ کے لیے ہمیشہ دعا کروں گی کہ کوئی اور نائلہ آپ کے راستے میں نہ آئے۔"

نائلہ نے گاڑی مہرین کے اپارٹمنٹس کے آگے روکی، وہ مہرین کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اسے چھوڑنے چلی آئی تھی۔

"میری اور آپ کی ملاقات کے بارے میں وہ کبھی نہ جان پائے گا، آپ بالکل بے فکر رہیے گا۔" وہ مسلسل اسے اطمینان دلا رہی تھی۔

"بہت بہت شکریہ نائلہ گو کہ شکریہ کا لفظ تمہارے خلوص کے آگے بہت چھوٹا ہے، لیکن میرا رواں رواں تمہارا احسان مند ہے۔" مہرین نے گاڑی سے اتر کر کہا تو وہ مسکراتے ہوئے گاڑی بیک کرنے لگی۔

"شاید ہم زندگی میں پھر کبھی نہ مل سکیں کیونکہ اس میں ہم تینوں کی بھلائی ہے، لیکن آئندہ زندگی میں میری بچی بچی خوشیاں خدا کے بعد تمہاری مرہون منت رہیں گی خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

مہرین نے دور جاتی گاڑی پر نظریں جماتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

"لیکن کیا وہ خود بھی عاصم کو معاف کرسکے گی؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"نہیں کبھی نہیں، لیکن کیا خبر صبر کا یہی کڑوا گھونٹ اس کی آئندہ زندگی کا تریاق بن جائے۔" یہی سوچتے ہوئے وہ اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

مشہور و معروف افسانہ و ناول نگار

رفعت سراج

کے افسانوں کا مجموعہ

کستوری

کا دوسرا ایڈیشن،

شائع ہوگیا ہے

قیمت /75 روپے

سول ایجنٹ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار کراچی